

ایمانیات

(۱۰)

(گزشتہ سے پیوستہ)

سنن یہ ہیں:

۱۔ ابتلا

اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا امتحان کے لیے بنائی ہے۔ خدا کے ایک عالم گیر قانون کی حیثیت سے یہ امتحان تمام عالم انسانیت کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ انسان کی طبیعت میں جو کچھ ودیعت ہے، وہ اسی امتحان سے نمایاں ہوتا، نفس کے اسرار اسی سے کھلتے اور علم و عمل کے درجات اسی سے متعین ہوتے ہیں۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ موت و حیات کا یہ کارخانہ وجود میں آیا ہی اس لیے ہے کہ اس کا پروردگار دیکھ لے کہ کون سرکشی اختیار کرتا اور کون اس کی پسند کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے، لیکن اس نے یہ سنت ٹھیرائی ہے کہ لوگوں کے ساتھ جزا و سزا کا معاملہ وہ مجرد اپنے علم کی بنیاد پر نہ کرے گا، بلکہ لوگوں کے عمل کی بنیاد پر کرے گا۔ یہ امتحان اسی مقصد سے برپا کیا گیا ہے:

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ
اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا، وَهُوَ الْعَزِيزُ
الْغَفُورُ. (الملک ۶۷:۲)

”(وہی) جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ تم
کو آزمائے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔
اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی۔“

اس دنیا میں رنج و راحت، غربت و امارت، دکھ اور سکھ کی جو حالتیں انسان کو پیش آتی ہیں، وہ اسی قانون کے تحت

ہیں۔ ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا اور ان کے کھوٹے اور کھرے میں امتیاز فرماتا ہے۔ وہ کسی کو مال و دولت اور عز و جاہ سے نوازتا ہے تو اس کے شکر کا امتحان کرتا ہے اور کسی کو فقر و مسکنت میں مبتلا کرتا ہے تو اس کے صبر کا امتحان کرتا ہے:

وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً، وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ. (الانبیاء: ۲۱: ۳۵)

”اور ہم تمہیں دکھ سکھ سے آزما رہے ہیں، پرکھنے کے لیے اور تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔“

استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر میں ایک جگہ لکھا ہے:

”...وہ جن کو مال و جاہ دیتا ہے تو اس لیے دیتا ہے کہ وہ دیکھے کہ وہ اللہ کی بخشی ہوئی نعمت پا کر اس کے شکر گزار، متواضع اور فرماں بردار بندے بنتے ہیں یا مغرور و متکبر ہو کر اکڑنے والے، اترانے والے، غریبوں کو دھتکارنے والے اور خدائی نعمتوں کے اجارہ دار بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اسی طرح جن کو غربت دیتا ہے تو یہ دیکھنے کے لیے دیتا ہے کہ وہ اپنی غربت پر صابر، حاصل نعمتوں اور اپنی نان جوئی پر قانع، اپنی تقدیر پر راضی اور اپنے فقر میں خود دار رہتے ہیں یا مایوس و دل شکستہ ہو کر پست ہمت، بے حوصلہ، تقدیر سے شاکی، خدا سے برہم اور ذلیل و خوار ہو کر رہ جاتے ہیں۔“ (تدبر قرآن ۶۰/۳)

زمین کا یہ ساز و سامان بھی جس پر انسان فریفتہ ہے، اسی امتحان کے لیے مہیا کیا گیا ہے۔ یہ سامان عیش نہیں، بلکہ وسیلہ امتحان ہے جس کے درمیان انسان کو رکھ کر اللہ تعالیٰ یہ دیکھ رہا ہے کہ اس کے ذریعے سے وہ اپنے پروردگار کی معرفت حاصل کرتا اور اس طرح آخرت کی فوز و فلاح سے ہم کنار ہوتا ہے یا اس کی دل فریبیوں میں گم ہو کر اپنی راہ کھوٹی کر لیتا ہے:

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا،
لِنَبْلُوَهُمْ أَئِیْهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا. (الکہف: ۱۸: ۷)

”زمین پر جو کچھ بھی ہے، اسے ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ انھیں آزمائیں کہ ان میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔“

استاذ امام لکھتے ہیں:

”...یہ دنیا دار الامتحان ہے۔ اس میں ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ کون اپنی عقل و تمیز سے کام لے کر آخرت کا طالب بنتا ہے اور کون اپنی خواہشوں کے پیچھے لگ کر اسی دنیا کا پرستار بن کر رہ جاتا ہے۔ اس امتحان کے تقاضے سے ہم نے اس دنیا کے چہرے پر حسن و زیبائی کا ایک پرفریب غازہ مل دیا ہے۔ اس کے مال و اولاد، اس کے کھیتوں کھلیانوں، اس کے باغوں اور چمنوں، اس کی کاروں اور کوٹھیوں، اس کے محلوں اور ایوانوں، اس کی صدارتوں اور وزارتوں میں

بڑی کشش اور دل فریبی ہے۔ اس کی لذتیں نقد اور عاجل اور اس کی تلخیاں پس پردہ ہیں۔ اس کے مقابل میں آخرت کی تمام کامرانیاں نسیہ ہیں اور اس کے طالبوں کو اس کی خاطر بے شمار جان کاہ مصیبتیں نقد نقد اسی دنیا میں جھیلنی پڑتی ہیں۔ یہ امتحان ایک سخت امتحان ہے۔ اس میں پورا اترنا ہر بوالہوس کا کام نہیں ہے۔ اس میں پورے وہی اتریں گے جن کی بصیرت اتنی گہری ہو کہ خواہ یہ دنیا ان کے سامنے کتنی ہی عشوہ گری کرے، لیکن وہ اس عجوزہ ہزار داماد کو اس کے ہر بھیس میں تاڑ جائیں اور کبھی اس کے عشق میں پھنس کر آخرت کے ابدی انعام کو قربان کرنے پر تیار نہ ہوں۔“ (تذکر قرآن ۵۵۸/۴)

یہ ابتلا کا عام قانون ہے۔ اس کا ایک خاص پہلو قرآن مجید میں یہ بیان ہوا ہے کہ رسولوں کی بعثت کے نتیجے میں جو دینونت اللہ تعالیٰ کی طرف سے برپا کی جاتی ہے، اس میں ایمان و اسلام کا دعویٰ کرنے والوں کو بعض ایسی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے جو عام لوگوں کو بالعموم پیش نہیں آتیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:

أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا
 آمَنَّا، وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ، وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ
 مِنْ قَبْلِهِمْ، فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا،
 وَلْيَعْلَمَنَّ الْكَذِبِينَ. (العنکبوت ۲۹-۳۰)

”کیا لوگوں نے گمان کر رکھا ہے کہ وہ محض یہ کہہ
 دیتے سے چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم (پیغمبر پر)
 ایمان لائے، اور وہ آزمائے نہیں جائیں گے، دراصل حالیکہ
 جو ان سے پہلے گزرے ہیں، ہم نے انہیں بھی (اسی
 طرح) آزمایا ہے۔ سو اللہ انہیں الگ کرے گا جو
 سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی الگ کرے گا۔“

اللہ کے رسولوں کی طرف سے اتمام حجت کے بعد یہ آزمائشیں عذاب سے پہلے تطہیر کے لیے پیش آتی ہیں۔ ان آیتوں میں یہی حقیقت ہے جسے فلیعلمن اللہ الذین صدقوا، ولیعلمن الکذبین کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ آخری فیصلے سے پہلے یہ بات ہر لحاظ سے واضح ہو جائے کہ کون کہاں کھڑا ہے؟ قرآن کے بعض دوسرے مقامات پر بھی یہ سنت الہی اسی تاکید کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ ایک جگہ فرمایا ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ
 وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ
 وَالثَّمَرَاتِ، وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا
 أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ، قَالُوا: إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ
 رَاجِعُونَ. (البقرہ ۱۵۵-۱۵۶)

”ہم تمہیں لازماً کچھ خوف، کچھ بھوک اور کچھ جان و
 مال اور کچھ پھلوں کے نقصان سے آزمائیں گے۔ اور
 (اس میں) جو لوگ ثابت قدم ہوں گے، (اے پیغمبر)،
 انہیں (دنیا اور آخرت، دونوں میں کامیابی کی) بشارت
 دو۔ (وہی) جنہیں کوئی مصیبت پہنچے تو کہیں کہ لا ریب،

ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں (ایک دن) اسی کی طرف
پلٹ کر جانا ہے۔“

۲۔ ہدایت و ضلالت

اس ابتلا میں انسان سے تقاضا کیا گیا ہے کہ گمراہی سے بچے اور اپنے لیے ہدایت کا راستہ اختیار کرے۔ قرآن نے بتایا ہے کہ یہ ہدایت اس کی فطرت میں ودیعت ہے۔ پھر شعور کی عمر کو پہنچنے کے بعد زمین و آسمان کی نشانیاں اس کی طرف اسے متوجہ کرتی ہیں۔ انسان اگر اس ہدایت کی قدر کرے، اس سے فائدہ اٹھائے اور خدا کی اس نعمت پر اس کا شکر گزار ہو تو خدا کی سنت ہے کہ وہ اس کی روشنی کو اس کے لیے بڑھاتا، اس کے اندر مزید ہدایت کی طلب پیدا کرتا اور اس کے نتیجے میں انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی ہدایت سے اس کو بہرہ یاب ہونے کی توفیق عطا فرماتا ہے:

”رُشْنٰی پُر رُشْنٰی، اللہ جس کی چاہتا ہے، اپنے نور کی
طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اور اللہ لوگوں کے لیے
مثالیں بیان کرتا ہے، اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔“
”اور جنہوں نے ہدایت پائی ہے، اللہ نے انہیں اور
ہدایت دی اور ان کے حصے کا تقویٰ بھی انہیں عطا
فرمایا ہے۔“

یہ اتمام ہدایت ہے اور قرآن مجید نے پوری صراحت کے ساتھ واضح کر دیا ہے کہ خدا کی مشیت کے بغیر اس کی
طلب بھی کسی شخص کے دل میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہ مشیت اسی قانون سے وابستہ ہے۔ خدا علیم و حکیم ہے۔ وہ یہ نعمت
انہی کو دیتا ہے جو اپنی فطرت میں ودیعت اس کی ہدایت کو قبول کرتے ہیں:

”یہ (قرآن) تو ایک یاد دہانی ہے، اس لیے جس کا
جی چاہے، اپنے رب کی راہ اختیار کرے۔ اور تم نہیں
چاہتے، مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ بے شک، اللہ علیم و حکیم
ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے (اسی علم و حکمت کی بنا پر)
اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور یہ ظالم، ان کے لیے
تو اس نے ایک بڑا دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

انسان اس فطری ہدایت سے اعراض کا فیصلہ کر لے، اپنی عقل سے کام نہ لے اور جانتے بوجھتے حق سے انحراف

کرے تو قرآن کی اصطلاح میں یہ ظلم اور فسق ہے اور خدا کسی ظالم اور فاسق کو کبھی ہدایت نہیں دیتا، بلکہ اسے گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے:

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ،
وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ
(یونس: ۱۰۰)

”اور کسی شخص کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر (پیغمبر پر) ایمان لائے۔ (یہ اجازت انھی کو ملتی ہے جو اپنی عقل سے کام لیں) اور جو عقل سے کام نہیں لیتے، اُن پر وہ (گمراہی کی) نجاست ڈال دیتا ہے۔“

اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس طرح کے مجرموں کی ضد، نفسانیت اور ہٹ دھرمی میں اس سے اضافہ ہو جاتا اور وہ صحیح طریقے پر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس جرم کی پاداش میں بالآخر اللہ ان کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا، سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ
أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ، لَا يُؤْمِنُونَ، خَتَمَ اللَّهُ عَلَى
قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ، وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ
غِشَاوَةً، وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ
(البقرہ ۶: ۷۷-۷۸)

”جن لوگوں نے (اس کتاب کو) نہ ماننے کا فیصلہ کر لیا ہے، اُن کے لیے برابر ہے، تم انھیں خبردار کرو یا نہ کرو، وہ نہ مانیں گے۔ اُن کے دلوں اور کانوں پر (اب) اللہ نے (اپنے قانون کے مطابق) مہر لگا دی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ اور قیامت کے دن ایک بڑا عذاب ہے جو اُن کے لیے منتظر ہے۔“

ایک دوسری جگہ فرمایا ہے:

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَتْهُمْ
آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا، قُلْ: إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ،
وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ، لَا يُؤْمِنُونَ،
وَنُقَلِّبُ أَفْعَادَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ، كَمَا لَمْ
يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ، وَنَنْذِرُكُمْ فِي
طُعْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ. (الانعام ۹: ۱۰-۱۱)

”اور یہ لوگ اللہ کی پکی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اگر کوئی نشانی آئی تو وہ اس پر ضرور ایمان لے آئیں گے۔ کہہ دو کہ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور تم کس طرح سمجھو گے کہ نشانیاں آ بھی جائیں تو یہ ایمان نہ لائیں گے اور (ان کے اس جرم کی پاداش میں) ہم ان کے دلوں اور نگاہوں کو الٹ دیں گے، جس طرح وہ پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے اور ان کو ہم ان کی سرکشی

میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیں گے۔“

استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے:

”... یہ اس سنت اللہ کا بیان ہے جس کے تحت کسی کو ایمان نصیب ہوتا ہے اور کوئی اس سے محروم رہتا ہے... اس کائنات میں بھی اور انسان کے اپنے وجود کے اندر بھی خالق کائنات نے اپنی جوان گنت نشانیاں پھیلا دی ہیں، جو لوگ ان پر غور کرتے اور اس غور و فکر سے جو بدیہی نتائج ان کے سامنے آتے ہیں، ان کو حرز جاں بناتے ہیں، ان کو ایمان کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ یہ تمام نشانیاں دیکھنے کے باوجود اندھے بہرے بنے اور اپنی خود پرستیوں میں مگن رہتے ہیں، قرآن اور پیغمبر کی بار بار تذکیر کے بعد بھی اپنی آنکھیں نہیں کھولتے، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں اور ان کی آنکھوں کو الٹ دیا کرتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ صحیح فکر و نظر کی صلاحیت سے محروم ہو جایا کرتے ہیں۔ پھر بڑی سے بڑی نشانی اور بڑے سے بڑا معجزہ بھی ان پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جو لوگ سیدھے دیکھنے کے بجائے الٹے دیکھتے اور سیدھی راہ اختیار کرنے کے بجائے الٹی راہ چلتے ہیں، ان کے دل اور ان کی فکر بھی کج کر دی جاتی ہے۔ پھر وہ احوال کی طرح ہر چیز کو بس اپنے مخصوص زاویے ہی سے دیکھتے ہیں۔ اسی سنت اللہ کی طرف فلماً زاعوا ازلح اللہ قلوبہم میں اشارہ فرمایا ہے۔ یہاں اسی معروف سنت اللہ کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ کیسے باور کرتے ہو کہ اگر ان کو ان کی طلب کے مطابق کوئی معجزہ دکھا دیا گیا تو یہ مومن بن جائیں گے۔ آخر وہ تمام نشانیاں جو اتفاق و انفس میں موجود ہیں، جن کی طرف قرآن نے انگلی اٹھا اٹھا کر اشارہ کیا اور ان کے مضمرات و دلائل واضح کیے، جب ان میں سے کوئی چیز بھی ان کے دلوں اور ان کی نگاہوں کے زاویے کو درست کرنے میں کارگر نہ ہو سکی تو آخر کوئی نئی نشانی کس طرح ان کی کایا کلپ کر دے گی؟ جو حجاب آج ہے، وہ کل کس طرح دور ہو جائے گا اور جو اندھا پن آج دیکھنے سے مانع ہے، وہ اس نشانی کے ظہور کے وقت کہاں چلا جائے گا؟ جس طرح آج تک وہ ساری نشانیوں کو جھٹلا رہے ہیں، اسی طرح اس نشانی کو بھی جھٹلا دیں گے اور جو قلب ماہیت ان کے دلوں اور ان کی آنکھوں کی آج دیکھتے ہو، وہ قلب ماہیت اس وقت بھی اپنا عمل کرے گی۔“ (تدبر قرآن ۱۴۰/۳)

[باقی]